Date of Publication: 09-03-2014
PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 10-11 March. 2014
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
ہفت روزہ
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 March 2014
Issue: 11, Vol.73
۱۵تا۲۱/مارچ ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر:۱۱، جلد نمبر:۷۳

علی سردار جعفری اور 'ترقی پسند ادب'

اطہر فاروقی
farouqui@yahoo.com

اردو میں ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں پریم چند کے علاوہ تقریباً سب کے سب لوگ وہ تھے جن کا تعلق متمول، جاگیردار گھرانوں سے تھا۔ بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں ایسے لوگ اعلا تعلیم کے لیے عموماً انگلستان جایا کرتے تھے۔ محمود ظفر، سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں جیسے لوگ ایسے ہی گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ نظریاتی سطح پر یہ لوگ کچھ بھی رہے ہوں لیکن اپنے طرز زندگی کے اعتبار سے وہ اشرافیہ ہی تھے۔ ہمارے نظریات اور ہمارا طرز زندگی صرف ہمارے وجود کا حصہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ وجود کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں۔ نظریات اور طرز زندگی کا معاملہ وہی ہے جو آئیڈیالوجی اور کلچر کا ہے۔ اس لیے ان کو ایک دوسرے سے علاحدہ رکھنا غیر ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز ہی سے ایک مبہم تضاد ہمارے نظریاتی سفر میں ہمیں پا بہ جولاں کیے رہتا ہے۔

انیسویں صدی کے سیاسی اور سماجی حالات نے بیدار مغز ذہنوں کو پوری طرح متاثر کیا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط سے اردو شاعری کو غزل کے بہ ظاہر محدود دائرے سے باہر نکال کر نظم کی زمین پر جولاں ہونے کا سبق ان ہی نظریاتی اور تہذیبی تبدیلیوں نے اردو ادب کو سکھایا۔ انیسویں صدی کے وسط میں اردو نثر میں 'کار آمد' اور 'معلوماتی' اور 'علمی' لیکن سادہ، سلیس اور ممکن حد تک عام فہم نثر کا گجر اردو میں بجا۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں جب اردو کے تازہ کار ذہن یورپ کے مختلف مکاتب و مراکز علمی سے تصورات کا پانی پی کر ہندستان لوٹے تو وہ اپنے ساتھ ہندستانی ترقی پسند تحریک کی سوغات بھی لیتے آئے۔ اس طرح ہندستان میں 1936 میں ترقی پسند تحریک کا قیام عمل میں آیا۔

بیسویں صدی کا نصف اول بھی ہندستان میں سیاسی اور ذہنی خلفشار کا دور ثابت ہوا۔ سوویت یونین کا قیام، پہلی اور دوسری جنگ عظیم، خلافت تحریک یہ وہ تمام حالات تھے جن کے پس منظر میں ترقی پسند ذہن کی نشو و نما ہوئی اور یقیناً یہ رنگ ترقی پسند تحریک کے رنگ میں لاشعوری طور پر گھلتے ملتے۔ آگے چل کر آزادی جس شکل میں رونما ہوئی اور آزادی کے فوراً بعد اقلیتوں اور بعض زبانوں خصوصاً اردو کو جن نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اس نے ان خوابوں کو تار تار کر کے رکھ دیا جو آزادی کی چاہت میں ہم نے بنے تھے۔ تاہم اس کے نتیجے میں اردو ادب اور خاص طور پر اردو شاعری میں آزادی کی دھنیں تیز تر ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ برٹش راج کے خلاف دھواں دھار نظمیں لکھنے والے جوش ملیح آبادی بھی ترقی پسند اسٹیج کی زیب و زینت ہو گئے۔ یہی زمانہ سردار جعفری کی اٹھان کا زمانہ تھا۔ پھر آزادی کے چار ہی سال بعد 1951 میں ان کی کتاب 'ترقی پسند ادب' منظر عام پر آئی۔ اس اشاعت کے 22 سال بعد 1972 میں 'ترقی پسند ادبی تحریک' کے عنوان سے خلیل الرحمن اعظمی کا پی ایچ. ڈی کا مقالہ منظر عام پر آیا۔ سردار جعفری کی کتاب اور خلیل الرحمن اعظمی کے مقالے کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ سردار جعفری کی کتاب ترقی پسند تحریک کا تعارف اور اس کا جواز پیش کرتی ہے اور ان تمام معاصر ادب اور ادبی فکر کے ان تمام پہلوؤں کو مطعون کرتی ہے جنھیں سردار جعفری غیر ترقی پسند قرار دیتے تھے۔ اس کے برخلاف خلیل الرحمن اعظمی نے اپنے مقالے میں ترقی پسند ادبی تحریک کا جائزہ انتہائی غیر جانب دارانہ اور معروضی انداز، بلکہ ممکن حد تک ہمدردانہ انداز میں لیا ہے۔ اگرچہ ترقی پسند تحریک کے بارے میں تنقیدی اور توصیفی (توصیفی زیادہ، تنقیدی کم) تحریروں کی کمی نہیں، لیکن خلیل الرحمن اعظمی کی کتاب آج بھی ترقی پسند تحریک کے مربوط اور قابل لحاظ مطالعے کے درجے پر قائم ہے۔

سردار جعفری کی کتاب 'ترقی پسند ادب' کی حیثیت آج ترقی پسند ادب کے طالب علم کے لیے ایک اہم حوالے سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کی کتاب ایک حد تک ترقی پسند ادب کا تعارف اور دفاع اور زیادہ تر (کھلے الفاظ میں یا اشاروں اور مضمرات کے انداز میں) غیر ترقی پسند ادب (یعنی وہ ادب جسے سردار جعفری غیر ترقی پسند سمجھتے تھے)، اس کی تردید اور قدر شکنی کی کوشش ہے۔ اس کوشش میں اقبال اور ہمارے کلاسیکی ادب بھی نکتہ چینی کی زد میں آئے۔ معاصر ادب کے بھی بعض بہت بڑے لوگ مثلاً منٹو اور عصمت بھی اسی نکتہ چینی کی زد میں آ گئے۔ سردار جعفری کی کتاب 'ترقی پسند ادب' کی تاریخی اہمیت اس کی افادیت کی ضامن ہے ورنہ تنقید کے اعتبار سے دیکھیں تو سردار جعفری کے اکثر تجزیے اور فیصلے آج نظر ثانی کے محتاج نظر آتے ہیں۔ ترقی پسند ادبی تحریک بین الاقوامی تحریک تھی اور ایسی تحریکوں کے تقاضے بھی ان تحریکوں سے مختلف ہوتے ہیں جن کی اساس قومی یا ملکی ہوتی ہے۔ اشتراکی نقطۂ نگاہ کسی ایک ملک یا خطے کی میراث نہیں، اس اعتبار سے، جیسا کہ ترقی پسندوں کا خیال تھا، ادب کا ایک عالمی افق ہوتا ہے، اس لیے ترقی پسند ادبی برادری میں بھی دنیا کی مختلف زبانوں، نسلوں اور خطوں کا یک جا ہونا بھی لازمی تھا۔ یہاں ترقی پسند تحریک کے بارے میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے یہ الفاظ یاد آنا لازمی ہے:

"ترقی پسند تحریک کا مطالعہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس کی محرک وہ قوتیں ہیں، جنھوں نے نہ صرف اردو بلکہ ہندستان کی دوسری زبانوں کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کا اثر دنیا کی چھوٹی بڑی تمام زبانوں پر پڑا ہے۔ تاریخ کے کسی زمانے میں کم ایسی عالم گیر قوتیں برسر کار آئی ہوں گی جن سے انسانی سرگرمی اور کارکردگی اتنی متاثر ہوئی ہو جتنی کہ اس ترقی پسند تحریک سے جو بہ حیثیت مجموعی اشتراکی نقطۂ نظر کی تائید اور ترجمانی کرتی ہے۔"

ترقی پسند تحریک پر اگرچہ اشتراکیت کی چھاپ تھی اور کمیونزم کے خلاف خدا کے وجود کا منکر ہونے کا پروپیگنڈہ اس تحریک کے خلاف عام تھا، لیکن ترقی پسندی کے پرچم تلے ہر رنگ کے لوگ تھے۔ جیسے احمد ندیم قاسمی جو خدا کے قائل تھے یا آنند نرائن ملا جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہ لاادری Agnostic تھے اور بہت سے دہریے بھی۔ لیکن شروع شروع میں ترقی پسندوں میں جو تھوڑی بہت لچک تھی وہ آہستہ آہستہ ناپید ہوتی گئی۔ سیاسی طور پر نہرو کی پارلیمنٹری

جمہوریت کا تصور ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی (CPI) کو پسند تھا لیکن انقلاب سے کوئی واسطہ آزادی کے بعد جوان ہوتی جمہوریت کو نہ تھا لہٰذا ایک تضاد جلد ہی پیدا ہو گیا اور ترقی پسند یعنی سی۔پی۔آئی اور نہرو، سیاسی اعتبار سے ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے، مگر نہرو سے ذاتی فائدے اٹھانے کے معاملے میں ترقی پسند اور کمیونسٹ آگے آگے رہے۔ یہ سلسلہ نہرو کے بعد بھی اسی نہج پر قائم رہا اور اندرا گاندھی سے ذاتی فائدے اٹھانے کے معاملے میں کمیونسٹ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ایمرجنسی کی حمایت کرنے والی سی پی آئی واحد اہم سیاسی جماعت تھی۔

نازی Nazi اور فسطائی طاقتوں کے خلاف مغرب کی بڑی طاقتوں نے اتحادی محاذ کی جو تشکیل کی تو اس کا ظاہری مقصد دنیا کو فاشزم سے بچانا اور باطنی مقصد تمام دنیا سے جرمنی کی طاقت کو ملیا میٹ کرنا تھا، ورنہ نام نہاد اتحادیوں کی راہیں در اصل الگ الگ تھیں۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ 'پہلی دنیا' ترقی یافتہ ممالک، 'دوسری دنیا' سوویت روس جس کے مرنے کا تعین پہلے ہی ہو چکا تھا اور 'تیسری دنیا' کے ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک۔ بالآخر اس کا ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ سوویت یونین کو چھوڑ کر تیسری دنیا کے تمام ممالک سامراجی عقابوں (جن میں سوویت روس بھی شامل تھا) کے آہنی پنجوں کی گرفت میں ہوں گے، ترقی پذیر ممالک بالواسطہ طور پر اور نادار ممالک براہ راست۔

شدت پسند کہلائے جانے والے ادیبوں کے ہاں، جن میں سردار جعفری کا شمار بھی ہونا چاہیے، ایک سخت گیر رویہ یہ پیدا ہوا کہ انھوں نے ادبی اسٹڈی سرکل اور پارٹی کیمون میں کوئی فرق برتنا روا نہیں رکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سردار جعفری کی کتاب 'ترقی پسند ادب' اگرچہ ایک سنگ میل کا حکم رکھتی ہے لیکن اس کتاب پر ایک عام اعتراض یہ ہے کہ یہ ادبی مباحث کا احاطہ کم کرتی ہے اور نظریاتی معاملات سے زیادہ علاقہ رکھتی ہے۔ جب 1957 میں 'ترقی پسند ادب' کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو توقع تھی کہ اس بار کچھ پہلوؤں پر نظر ثانی کی گئی ہوگی لیکن دوسرے ایڈیشن میں بھی ایسا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے اس کتاب کی اشاعت کے دو مقاصد پیش نظر رہے ہیں، اول یہ کہ اس کمیاب متن کو لائبریریوں سے باہر کتابوں کی گھریلو الماریوں میں پہنچا دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ آج کے نقاد اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں کہ اس کتاب کی روشنی میں اور آج کے حالات کے تناظر میں ترقی پسند تخلیقی ادب اور تنقید دونوں کی نئی تعبیرات سامنے لائی جائیں۔

یہاں یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ ترقی پسند تحریک جن سیاسی اور ادبی بنیادوں پر قائم تھی، اب وہ دونوں ہی مسترد ہو چکے ہیں۔ ترقی پسند ادیبوں کا خیال جو سردار جعفری نے اس کتاب میں پیش کیا تھا، وہ قومی روایات اور ہماری زبان کی اپنی ادبی تہذیب کے وجود سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، بلکہ ان کی نفی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ادب اور ہر زبان کے اپنے روایت اور رسومات اور اقدار ہوتے ہیں، ان سے منکر ہونا گویا ادبی تہذیب اور خود ادب سے منکر ہونا ہے۔ آج کے حالات میں جب ہر طرف عالم کاری کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے، یہ بہت ضروری ہے کہ سردار جعفری کی اس کتاب، اور یہ کتاب ہی نہیں، تمام ترقی پسند ادب کی نظریاتی بنیادوں کا جائزہ صبر اور انصاف کے ساتھ لیا جائے تاکہ ہماری اپنی ادبی تہذیبی روایت کے خط و خال کو اچھی طرح نمایاں ہونے کا موقع ملے۔ آج ایک رسم یہ چل پڑی ہے کہ ہر مقبول ادیب، مثلاً منٹو، یا بیدی، یا راشد کو ترقی پسند ثابت کیا جائے، یا پھر وہ جو ترقی پسند نہیں ہے، مثلاً میراجی، اس کو شک کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔ یہ دونوں رجحانات غلط اور نقصان دہ ہیں۔

حواشی:

1. خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب نے اپنا یہ مقالہ 1957 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے مرتب کیا تھا لیکن کتابی شکل میں اس کی اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام بارق 1972 میں عمل میں آئی۔
2. بہ حوالہ تعارف، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، ص ۷۔

(یہ مضمون ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی کے سمینار میں 21 فروری 2014 کو پڑھا گیا ہے۔)

بلونت سنگھ کے افسانوی طریقۂ کار کی شناخت

ڈاکٹر ایم۔ نسیم اعظمی (ڈومن پورہ، کساری، مئوناتھ بھنجن 275101، یوپی)
E-mail: dazmi99@gmail.com

بلونت سنگھ کا شمار اردو کے مشہور و معروف افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ آزادی ۱۹۴۷ء تک ان کے دو افسانوی مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ ان کی افسانہ نگاری کا آغاز طالب علمی کے زمانے میں ہوا تھا۔ ان کا پہلا افسانہ 'سزا' ماہنامہ 'ساقی' ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا تھا جب ان کی عمر تقریباً سولہ سال تھی۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ 'جگا' ۱۹۴۴ء اور دوسرا ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ ملک کی آزادی کے زمانے میں بلونت سنگھ اردو کے قابل ذکر نوجوان افسانہ نگار کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے تھے۔

بلونت سنگھ نے جب افسانہ نگاری شروع کی تھی، اس وقت اردو افسانہ نگاری کی روایت کے طور پر پریم چند، سدرشن، علی عباس حسینی، اختر اورینوی اور اعظم کریوی وغیرہ کے افسانے موجود تھے۔ ان میں سے بیشتر افسانہ نگاروں نے اردو میں دیہات اور دیہاتی زندگی، ماحول و فضا اور پس منظر میں لکھے گئے افسانوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا تھا۔ کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، پریم ناتھ، جمیلہ ہاشمی، غلام ثقلین نقوی، صادق حسین، حیات اللہ انصاری اور اوپندر ناتھ اشک وغیرہ نے افسانے کی اسی روایت کو آگے بڑھانے اور ترقی دینے میں اپنی تخلیقی سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا جو عموماً پریم چند کی افسانوی روایت کے نام سے مشہور ہے۔ بلونت سنگھ نے بھی اردو افسانے کی اسی مروجہ روایت سے استفادہ کرتے ہوئے دیہی زندگی کے ساتھ ساتھ قصباتی و شہری زندگی کے حالات و ماحول اور واقعات و مسائل پر مشتمل بہترین اور کامیاب افسانے تخلیق کیے اور خصوصاً پنجاب کے دیہات اور دیہاتی زندگی و مسائل، رہن سہن، طرز بود و باش، رسم و رواج، شادی بیاہ، معاشرت اور طرز فکر و عمل اور ان کی جزئیات کی عکاسی اپنے افسانوں میں کچھ اس نئے انداز اور انفرادی طریقے سے کی کہ پنجاب کے دیہات اور دیہاتی زندگی کی ایسی سچی تصویر کشی پہلی بار دیکھنے میں آئی۔

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس (لکھنؤ) کے تقریباً ایک سال بعد بلونت سنگھ کی پہلی کہانی شائع ہوئی۔ ۱۹۴۷ء تک ان کے دو افسانوی مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ اس طرح دیکھا جائے تو دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد ان کی افسانہ نگاری کو عروج حاصل ہوا۔ اس زمانے میں اردو کے بیشتر اہم قلم کار اور ادیب و شاعر کسی نہ کسی نظریہ یا رجحان سے وابستہ تھے لیکن بلونت سنگھ کسی بھی نظریہ یا رجحان سے وابستہ ہوئے بنا اپنے تخلیقی عمل کو جاری و ساری رکھا اور اپنی الگ راہ بنانے میں سرگرم عمل رہے اور یہی دور اردو افسانہ نگاری کا عہد زریں بھی رہا ہے۔ ان کے معاصر افسانہ نگاروں میں راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، سہیل عظیم آبادی، اختر اورینوی، احمد ندیم قاسمی، حیات اللہ انصاری، اوپندر ناتھ اشک اور دیوندر ستیارتھی وغیرہ کا نام بہ طور خاص قابل ذکر ہے جنھوں نے اردو افسانہ نگاری کے ادبی سرمایے میں نمایاں اور اہم اضافے کیے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اردو غزل کی طرح اردو افسانوں کا بھی بنیادی موضوع عشق و محبت اور رومان رہا ہے۔ بلونت سنگھ کے افسانوں میں بھی رومان اور محبت و پیار کی کارفرمائی رہی ہے۔ مگر کرشن چندر کی طرح انھوں نے محض رومان کو ہی افسانہ نگاری کی اساس نہیں بنایا، لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ بلونت سنگھ کے بھی بیشتر افسانوں کا موضوع، ماحول اور طرز تحریر رومانی رہا ہے اور 'چکوری'، 'آشیانہ' اور 'ایک معمولی لڑکی' جیسے افسانوں کو بہ طور مثال پیش بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے افسانوں کا پس منظر عموماً پنجاب کے دیہات اور دیہاتی زندگی، انسانی ہمدردی اور انسان دوستی وغیرہ کے جذبات کی ترجمانی، ہندوستانی معاشرت اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ وہ عموماً اپنی کہانیوں میں نچلے اور درمیانی طبقے کے مسائل و معاملات اور واقعات و حادثات کو موضوع بناتے ہیں اور ان میں زندگی کے مختلف تضادات اور کشمکش و تصادم کو افسانوی پیکر میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے افسانوں میں زندگی و سماج کی حقیقت نگاری ایک نئے اور اچھوتے انداز میں سامنے آتی ہے۔ ان کے رومانی اور جنسی پس منظر رکھنے والے افسانوں میں بھی جنس اور رومان سے کہیں زیادہ زندگی کے حقیقی مسائل و معاملات کو ہی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے یہاں کرشن چندر جیسی رومانیت اور منٹو کی بیباک حقیقت پسندی کے بجائے ایک معتدل اور متوازن حقیقت نگاری پائی جاتی ہے۔ چناں چہ ان کے پہلے ہی افسانہ 'سزا' میں رومان و حقیقت کا جو خوب صورت اور صحت مند امتزاج پایا جاتا ہے دراصل ان کی افسانہ نگاری کا وہی اساسی اور کلیدی وصف بھی ہے۔ ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج، محبت،

انسانیت اور ہمدردی کا پیغام اور سرمایہ دارانہ نظام پر گہرا طنز بھی ہوتا ہے۔ 'تھیز'، 'پیلا پتھر'، 'کسبی'، 'ریکا'، 'کالے کوس'، 'مکھن ڈوگریا' اور 'جنبرا دیش' وغیرہ بھی بلونت سنگھ کے ایسے افسانے ہیں جن میں ہندوستانی معاشرت، معاشرتی حقیقت پسندی، صحت مند رومانیت اور ہمدردی کو ہی بنیادی اہمیت دی گئی اور پوری فنکاری کے ساتھ پیش کرنے کی کامیاب کوشش بھی کی گئی ہے۔

'ہندوستاں ہمارا' بلونت سنگھ کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں آزادی کی تمنا، غلامی سے نجات، نفرت اور قومیت و وطنیت کے جذبات اجاگر کیے گئے ہیں۔

'جگا' بلونت سنگھ کے افسانوی مجموعے کا بھی نام ہے اور اس کی پہلی کہانی کا عنوان بھی ہے۔ اس افسانے کا پلاٹ بھی پنجاب کی فضا اور ماحول ہے، جس میں غربت، محنت کشی، افلاس، بہادری، مفلوک الحالی اور جرائم وغیرہ دکھائے گئے ہیں۔ اس افسانے کے آغاز و انجام دونوں پر رومانیت غالب ہے۔ اس افسانے کو بلونت سنگھ کی خاص شناخت کے طور پر بھی جانا جاتا ہے کیوں کہ اس کی اشاعت کے بعد بلونت سنگھ اردو کی ادبی دنیا میں جگا کے حوالے سے بھی ایک عرصے تک جانے جاتے تھے۔ اس افسانے کا ہیرو جگا نامی ایک ڈاکو ہے جو گرنام نامی ایک پنجابی لڑکی سے عشق کرتا ہے اور اس عشق و محبت کے جذبات سے اس کی زندگی میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

'کالے کوس' ہندوستان کی تقسیم کے المیے سے متاثر ہو کر لکھا گیا افسانہ ہے جس میں فرقہ وارانہ فسادات کے بھیانک حالات پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا آغاز مسلمانوں کی ہجرت سے کیا گیا ہے اور دو متضاد قسم کے کرداروں پر مشتمل کہانی تخلیق کی گئی ہے۔ 'کرنتی' میں مذہبی زندگی اور طاقت کی اہمیت کا امتزاج ہے۔ 'سورما سنگھ' میں بھی دو متضاد قسم کے کرداروں سے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ 'وبلے ۴۸' بھی فساد کے ہی موضوع پر ہے، اس میں فساد کی ہیبت ناک منظر کشی، انسانی اقدار، اخلاقیات کی شکست و ریخت، سیاسی و سماجی نظام کا کھوکھلا پن، بربادی و ویرانی، بربریت اور فرقہ وارانہ جنون کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانے کا آغاز ایک ایسے شہر سے ہوتا ہے جسے فسادیوں نے پوری طرح تباہ و برباد کر دیا ہے۔

'پیلا پتھر' پنجاب کے نچلے متوسط طبقے کی معاشرتی زندگی، آپسی رشتے، جنسی جذبات اور اس کی تعبیر کے اعتبار پر مشتمل ہے۔ افسانے کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی ایک مقدس کتاب کی ایک آیت کے ترجمے سے ہوتا ہے جس میں ایک بدکردار عورت کی سرعام سنگ ساری کا تذکرہ ہے۔ یہ افسانہ سردار دھاوا سنگھ کی حویلی سے شروع ہوتا ہے اور اسی حویلی میں اختتام پذیر بھی ہو جاتا ہے۔ اس کہانی میں مغربی پنجاب سے وہ وہاں اپنی تین لڑکیوں کی جان بچا لاتا ہے۔ اس کی بیوی فساد میں ماری جاتی ہے مگر اس حویلی میں آ کر اس کی تینوں لڑکیاں مردوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس افسانے کی خاص بات یہ ہے کہ افسانہ نگار اس افسانے کے کرداروں کا تعارف نہیں کراتا ہے بلکہ قاری خود بہ خود ان سے متعارف ہو جاتا ہے۔ 'دیش بھگت' ایک ادھیڑ عمر پنجابی سردار 'یگا' کی کہانی ہے جو بہ ظاہر دیش بھگت بنا ہوا ہے مگر حقیقتاً ایک بدکردار شخص ہے۔ یہ افسانہ اپنے عنوان کے بالکل برعکس ہے۔ 'گمراہ' باپ بیٹے کی گمراہی کے موضوع پر ہے جس میں پنجاب کے شہر و دیہات، کوہسار و جوئے بار، ندی نالے اور کھیت و باغات کی بہترین منظر کشی کی گئی ہے۔ 'خودواز' میں انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں کو فنکاری سے اجاگر کیا گیا ہے۔ تو 'دیمک' بھی زیتو نامی ایک عورت کی گھریلو زندگی کی تشکیل بجانے میں ترجمانی کی گئی ہے۔ لس، ہمارا مکان، مکھن ڈوگریا، جالان، کالی تیتری اور روشنی وغیرہ میں بھی زندگی کے کسی نہ کسی اہم واقعے، حادثے یا معاملے کو افسانہ بنایا گیا ہے۔ 'جھر جھری' میں جہیز کی لعنت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ 'کرنیل سنگھ' میں گاؤں کے زمیندار کی گھوڑی کے گم ہونے کی داستان ہے۔ 'آنند کارج' کا عنوان اگرچہ بڑا بے ڈھب لگتا ہے مگر یہ اصل میں پنجابی لفظ ہے جس کے معنی شادی کے ہوتے ہیں۔ یہ اصل میں پنجاب کے دیہاتوں میں رائج شادی کی رسموں، پنجابی تہذیب و ثقافت اور سکھ اور جاٹ گجر کے کھرے پن کی نمائندہ کہانی ہے۔

'گلیاں' میں ایک بیوہ جو تین بچوں کی ماں ہے، گاؤں کے بیلا سنگھ اور بھیلیا سنگھ سے اپنی آبرو بچانے کے لیے بے تحاشا بھاگتی ہے اور بھاگنے کے دوران اپنے بچپن، نوجوانی، شادی اور بھرے پُرے خاندان کو تصورات کے پردے پر دیکھتی ہے۔ 'باندھ' بلونت سنگھ کا ایک نیم رومانی اور نیم علامتی افسانہ ہے۔ پھلکاری، رات ایک بات ایک، رخصتی، گوری چلی سسرال، دیدار، پورا جوان، مکھن کور، صبح و شام آرزو، چار استاد، بھیگی بھیگی آنکھیں، جگمن، سپنوں کا راہی، چاند اور کنند، خیال چند، کلی کی فریاد، ایک بھیگی شام، بازگشت، تعبیر، اعتراف، کنک، آبشار، جزیرے، ایک ہی ناؤ میں، راستہ چلتی عورت، پیلا پھاٹک، شہباز، پاسبان، بھیگے بھیگے، سوت، اجنبی، آزاد و فاقہ، بابو مانک لعل، جھٹ، دادا، بھول بھلیاں، پردیسی چاند، دوسرا ہنی مون، کن فل پر رم جھم، تین باتیں، ہیپر ونٹ، خلا، کمپوزیشن نمبر اور تین چور سمیت ان کی ہر کہانی میں زندگی کے کسی نہ کسی اہم پہلو کو افسانوی پیکر میں بڑے ہی فنکارانہ اور تخلیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

بلونت سنگھ اور ان کے آبا و اجداد پنجابی تھے۔ بلونت سنگھ بھی پنجاب میں ہی پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے اور ہوش سنبھالا لیکن تقسیم ملک کے بعد انھیں پنجاب چھوڑنا پڑا اور وہ اتر پردیش میں آ کر آباد ہو گئے پھر بھی ان کے ذہن و فکر اور رگ و ریشے میں پنجاب اور پنجاب کی آب و ہوا، بود و باش، طرز معاشرت اور تہذیب و ثقافت کے نقوش اتنے گہرے تھے کہ کبھی بھی محو نہ ہو سکے اور ان کے افسانوں میں تمام تر جزئیات کے ساتھ ظاہر ہوتے رہے۔ ان کے افسانوں میں پنجاب کی دیہی زندگی کے مختلف رنگوں، پہلوؤں، رویوں اور زاویوں کی نت نئے انداز میں جلوہ گری پائی جاتی ہے۔ وہ پنجاب کی دیہاتی زندگی کے علاوہ قصباتی اور شہری زندگی کے بڑے اچھے نباض بھی ہیں اور عکاس بھی ہیں۔ انھوں نے شہروں کی غربت، افلاس، تنہائی، بھاگ دوڑ اور دوسری المناکیوں کو بھی اپنے افسانوں میں تمام تر ادبی و فنی لوازمات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بلونت سنگھ حقیقت میں ایک سماجی افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کی فضا وسیع اور بڑی رنگا رنگ ہے یا بہ قول پروفیسر وارث علوی "بلونت سنگھ کی تکنیک کے طریقۂ کار اور انداز بیان، ان کے افسانوں کی رومانی اور دیہاتی فضاؤں کو الف لیلوی داستان کا ایک ہلکا سا لمس دے کر پنجاب کی کہانیوں کو حقیقت پسندانہ سطح پر لے آتے ہیں"۔

ادب زندگی و سماج کا عکاس ہوتا ہے۔ ادب میں انسان کی داخلی و خارجی زندگی یا ذاتی اور مجلسی زندگی یا اس کے کسی نہ کسی پہلو کی ترجمانی ہوتی ہے۔ بلونت سنگھ کے افسانوں میں بھی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو تخلیقی حسن و فنکاری سے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلونت سنگھ کی حقیقت نگاری بھی اردو کے دوسرے افسانہ نگاروں سے کافی مختلف ہوتی ہے۔ ان کے یہاں رومانی اسلوب کا استعمال بھی بڑے دل کش اور خوب صورت انداز میں پایا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں رومان و حقیقت کا ایسا دل نشیں امتزاج ہوتا ہے جو خاص انھی کا انفرادی وصف ہے۔ ان کا اسلوب عموماً سادہ و پُرکار ہوتا ہے اور جہاں کہیں انھوں نے استعاراتی اسلوب بھی اختیار کیا ہے وہ بھی غیر مبہم اور قابل فہم ہے۔ بلونت سنگھ تکنیک کے ماہر افسانہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں انھیں مواد و موضوع کے لحاظ سے تکنیک و اسلوب اختیار کرنے میں کمال حاصل ہے۔ ان کے افسانوں میں رومان و حقیقت کا بہترین امتزاج ہوتا ہے جس سے ان کے افسانوں کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ 'کرنتی'، 'پنجاب کا البیلا' اور 'گمراہ' میں ان کی نثری شعریت کا غلبہ نمایاں ہے۔ چانگ، پردیسی چاند، سپنوں کا راہی، دوسرا ہنی مون جیسی کہانیوں میں رومانیت، نسوانیت اور حقیقت کے امتزاج سے ایک فنی حسن اور ادبی و تخلیقی دل آویزی پیدا ہو گئی ہے۔ طوائف کی زندگی پر 'کسبی' اور دیگر جنسی معاملات میں نیتا، چکوری اور بازگشت کی انفرادیت کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان کے افسانوں میں جنس فطری ضرورت کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ شہوت، ہیجان یا لذتیت ابھارنے کے لیے نہیں۔ ان کے یہاں جنس بھی ایک زبردست فطری قوت ہے اور اس قوت کو دبانے اور اس کے فطری اظہار میں رکاوٹ پیدا کرنے سے جنسی پیچیدگی، نفسیاتی الجھن، سماجی مسائل سر ابھارتے ہیں اور انسانی شخصیت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مناظر قدرت کی منظر کشی بھی افسانوں کی اہمیت میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ یہ بھی افسانہ نگاری کا اہم ترین عنصر تسلیم کی جاتی ہے۔ کسی بھی افسانے کا کوئی نہ کوئی مقصد یا نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ افسانہ نگار عموماً اپنے افسانوں کے ذریعے قاری تک کچھ نہ کچھ پیغام پہنچانا چاہتا ہے۔ بلونت سنگھ کے افسانوں میں کوئی نہ کوئی اہم پیغام یا نصیحت ہوتی ہے جو افسانے کی جمالیات کے ساتھ اس کی مقصدیت سے افسانے کی اہمیت و افادیت میں اضافہ کر دیتی ہے اور قاری کو متاثر کر کے اسے سنجیدگی سے غور و فکر کے لیے بھی اکساتی ہے۔ بلونت سنگھ کو زبان و بیان پر بھی پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ تشبیہات و استعارات کا بھی برمحل استعمال کرتے ہیں اور سادگی و پُرکاری سے بھی کام لیتے ہیں۔ ان کے افسانوں کی زبان عموماً صاف، سلیس اور عام فہم ہوتی ہے۔ پنجابی زبان، الفاظ و محاورات اور فقروں کا بھی وہ جا بجا استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے افسانوں کی بیانیہ میں تاثیر اور طنز کی کاٹ میں شدت در آتی ہے۔

کردار نگاری افسانہ نگاری کا سب سے اہم عنصر ہوتا ہے۔ کردار ہی سے کہانی جنم لیتی ہے اور کردار ہی کہانی کو آگے بھی بڑھاتے ہیں۔ بلونت سنگھ کو کرداری افسانہ نگار کہا جاتا ہے اور کردار نگاری ہی ان کے افسانوں کی اصل روح بھی ہوتی ہے۔ ان کے کرداروں میں جو انفرادیت اور ندرت پائی جاتی ہے اس سے ان کے افسانوں کی اہمیت، تاثیر اور دل کشی کافی بڑھ جاتی ہے۔ کرداروں کے حرکات و سکنات اور ان کی نفسیاتی پیچیدگیوں کے اظہار میں بھی انھیں کمال حاصل ہے۔ انھیں اپنی کہانیوں کے منفی کرداروں میں بھی انسانیت، انسانی ہمدردی اور دیگر پوشیدہ اوصاف کو اجاگر کرنے اور ان کے فنی باریک بینی سے نفسیاتی تضادات، داخلی کیفیات اور جذباتی شدت کے اجاگر کرنے میں جو مہارت پائی جاتی ہے وہ کافی پُرکشش اور حیرت انگیز بھی ہوتی ہے۔ بلونت سنگھ کی کردار نگاری کبھی کبھی منٹو کی طرح ڈرامائی بھی ہوتی ہے، جیسا کہ 'وبلے ۴۸' میں موجود ہے۔ بلونت سنگھ اپنے افسانوں میں زیادہ تر ایسے کردار تخلیق کرتے ہیں جو سماج کی نظروں میں اچھے نہیں تصور کیے جاتے لیکن قاری کو ان کرداروں سے نفرت کے بجائے ایک مخصوص قسم کی ہمدردی ہوتی ہے۔ ان کے کردار بھی عام طور سے پنجاب کے اُجڈ، گنوار اور کھردرے قسم کے ہوتے ہیں جو اپنی زمین اور

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

جہاں اردو بولنے والوں کی آبادی دس فیصد ہے وہاں اردو اسکول قائم کیے جائیں گے: براتو باسو

بیرکپور، مغربی بنگال (۱۸ فروری)۔ مغربی بنگال کے وزیر تعلیم براتو باسو نے آج شمالی چوبیس پرگنہ کے ٹیٹا گڑھ میں ایک اردو گرلس ہائی اسکول کا سنگ بنیاد رکھا اور حاجی نگر میں ایک اردو اسکول کا افتتاح کیا۔ مسلم آبادی والے علاقے ٹیٹا گڑھ میں لڑکیوں کے لیے علاحدہ اسکول نہیں تھا جس کے لیے حکومت کے اعلا تعلیمی افسران کو مکتوب لکھا گیا تھا۔

اس موقعے پر ریاستی وزیر تعلیم براتو باسو نے اپنی تقریر کے دوران بیرک پور میں پہلا گورنمنٹ بی ایڈ کالج قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ اسکول کی تعمیر کے لیے ایم پی فنڈ سے ۱۸ کروڑ الاٹ کیے گئے ہیں جسے ایک سال میں مکمل کرنے کی انتظامیہ سے اپیل کی گئی ہے اس سے لیے محکمہ تعلیم پوری طرح سے تعاون کرے گا۔

وزیر تعلیم براتو باسو نے کہا کہ وزیر اعلا ممتا بنرجی کی قیادت میں محکمہ تعلیم میں کافی تبدیلی آئی ہے جس کا ثبوت ڈھائی برسوں میں 32 سرکاری کالج قائم کرنے کا اعلان ہے جس کے لیے سالانہ تیرہ سو کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔

ریاستی وزیر تعلیم براتو باسو نے شمالی 24 پرگنہ کے ٹیٹا گڑھ میں لڑکیوں کے لیے ایک اردو میڈیم ہائی اسکول کے سنگ بنیاد کی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ممتا بنرجی کی قیادت والی ریاستی حکومت اردو کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ۲۰۰۱ کی مردم شماری کے مطابق جن علاقوں میں اردو بولنے والوں کی دس فیصد آبادی ہے وہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ ان علاقوں میں اردو میڈیم اسکول قائم کیے جائیں گے۔ وزیر تعلیم نے یقین دہانی کرائی کہ اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی کمی نہیں ہونے دی جائے گی۔ اردو اساتذہ اور مدرسہ اساتذہ کی بحالی کے لیے کارروائی شروع ہو گئی ہے۔ اردو میڈیم اسکول کے لیے ٹیٹا گڑھ میونسپلٹی نے پانچ کٹھہ زمین فراہم کرایا ہے۔ اس تقریب میں ٹیٹا گڑھ میونسپلٹی کے چیئرمین پرشانت چودھری اور مقامی ممبر اسمبلی بھی موجود تھے۔

(آبشار۔ کلکتہ)

ضلع میدک کے آر ٹی سی بسوں اور اردو میڈیم اسکولوں کے سائن بورڈس اردو میں بھی تحریر کرنے کی ہدایت

سنگاریڈی، آندھرا پردیش (۱۹ فروری)۔ سنگاریڈی میں ایڈیشنل کلکٹر ضلع میدک کی صدارت میں وزیر اعظم پندرہ نکاتی پروگرام کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ایم اے رشید (رکن وزیر اعظم پندرہ نکاتی پروگرام) نے مسلم طبقے کے مسائل پیش کرتے ہوئے کہا کہ ضلع میدک میں محکمہ اقلیتی کارپوریشن کی جانب سے قرض کی اجرائی پر مکمل عمل آوری نہیں ہو رہی ہے اور بینکوں کے عدم تعاون کی وجہ سے مسلم نوجوانوں کو قرض حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ضلع میدک کے بارہ ہزار پری میٹرک اسکالرشپ جاری نہیں کیے گئے اور اردو میڈیم اسکولوں اور آر ٹی سی بسوں پر اردو میں سائن بورڈس تحریر نہیں کیے گئے۔ ایڈیشنل کلکٹر ضلع میدک نے اس کا سخت نوٹ لینے کی ہدایت کی۔ انھوں نے ایم اے رشید (ایگزیکیٹو ڈائرکٹر اقلیتی مالیتی کارپوریشن) سے کہا کہ بارہ ہزار پری میٹرک اسکالرشپ کمشنر سے ربط پیدا کرکے فوری جاری کیے جائیں۔ انھوں نے ڈی ای او ریجن کو ضلع میدک کے تمام اردو میڈیم اسکولوں اور آر ٹی سی بسوں پر اردو میں بھی سائن بورڈس تحریر کرنے کی ہدایت کی۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

یو پی ایس سی سے عربی اور فارسی کو ختم کرنے کے خلاف مظاہرہ

نئی دہلی (۱۵ فروری)۔ عربی اور فارسی کو غیر ملکی زبان قرار دے کر اسے یو پی ایس سی سے ہٹانے کے خلاف مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات نے مظاہرہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب انگریزی زبان ملکی زبان ہو سکتی ہے تو عربی اور فارسی غیر ملکی کیسے ہوگی۔

(آبشار۔ کلکتہ)

انٹر کے نصاب میں اردو شاعری کو شامل کرنے کی یقین دہانی

حیدرآباد (۲۳ فروری)۔ اردو زبان کے استعمال میں نہ صرف لطف آتا ہے بلکہ سننے والا بھی ایک انجان لطف سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار سکریٹری بورڈ آف انٹرمیڈیٹ حکومت آندھرا پردیش آر ایس نائک (آئی اے ایس) نے کیا۔ وہ آج نامپلی کے ایک ہوٹل میں منعقدہ قومی یک جہتی مشاعرے سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان ہی وہ واحد زبان ہے جس نے مختلف زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ یہ زبان کسی ایک علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ علاقہ تلنگانہ کے علاوہ آندھرا اور رائلسیما میں بھی اردو زبان کا کافی استعمال ہے۔ شاعری کو خصوصی مضمون کی حیثیت سے شامل کرنے کے مطالبے پر سکریٹری بورڈ آف انٹرمیڈیٹ نے مثبت اقدام کا یقین دلایا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اردو طلبہ اور ادیبوں کے وظیفے میں اضافے کا مطالبہ

لکھنؤ۔ جمعیۃ علمائے لکھنؤ کے ضلع صدر سید محمد وسیم اور مجلس عاملہ کے اراکین ڈاکٹر سلمان خالد، حسین امین، ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی اور محمد عارف نگرامی نے منور رانا اور نواز دیو بندی کو اتر پردیش اردو اکادمی کے صدر اور چیئرمین کے عہدے پر تقرری کیے جانے پر مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ حکومت اترپردیش نے دیر سے ہی صحیح لیکن مذکورہ عہدے کے لیے ایسی شخصیات کی تقرری کی ہے جن سے اردو کے بارے میں بہتر توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ جمعیۃ کے ذمہ داران نے دونوں حضرات سے اپیل کی ہے کہ انھیں جو بھی اختیار حاصل ہیں ان کا استعمال اردو کے فروغ اور ترقی پر توجہ دینے کے لیے کریں۔ انھوں نے کہا کہ دونوں اس کی بھی کوشش کریں کہ اردو طلبہ، ادیبوں نیز صحافیوں کو ان کی خدمات کے اعتراف میں جو وظیفہ اور امداد ملتی ہے اس میں مزید اضافہ کیا جائے۔

(آگ۔ لکھنؤ)

گلبرگہ میں اردو اساتذہ اور مدارس کے مسائل حل کرنے کی یقین دہانی

گلبرگہ، کرناٹک (۱۸ فروری)۔ گلبرگہ ضلع کے نگراں وزیر قمرالاسلام صاحب نے مسلم گورنمنٹ ایمپلائز ایسوسی ایشن محکمہ تعلیمات گلبرگہ کے دیرینہ مطالبے کی یکسوئی کرتے ہوئے گلبرگہ میں اردو بھون تعمیر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ وہ یہاں محمدی گارڈن فنکشن ہال گلبرگہ میں منعقدہ ایسوسی ایشن کے تیسرے سالانہ جلسے کا افتتاح کرنے کے بعد خطاب کر رہے تھے۔ قمرالاسلام صاحب نے مزید کہا کہ علاقہ حیدرآباد کرناٹک اردو کا گہوارہ ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اردو کے اولین نثر نگار ہیں۔ مدرسہ محمود گاواں عالمی شہرت یافتہ اور ہندستان کا پہلا اقامتی مدرسہ رہا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم نہ صرف اردو رہا بلکہ یہاں میڈیکل و انجینئرنگ کے بشمول تمام پیشہ ورانہ کورسز کی تعلیم بھی اردو میں دی جاتی تھی۔ قمرالاسلام صاحب نے گورنمنٹ مسلم ایمپلائز ایسوسی ایشن محکمہ تعلیمات کی جانب سے گلبرگہ میں اردو بھون کی تعمیر کے لیے اراضی مہیا کرنے کے مطالبے پر توجہ دیتے ہوئے اعلان کیا کہ اردو بھون کی تعمیر کے لیے وہ اراضی مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ شاندار عمارت بھی تعمیر کر کے دیں گے تاکہ اس بھون میں تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کے پروگرام منعقد کیے جا سکیں۔ قمرالاسلام نے ایسوسی ایشن کی جانب سے اردو اساتذہ اور مدارس کے مسائل پر مبنی یادداشت پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے جلسے میں شریک راوحا کرشنا مگر (کمشنر محکمہ تعلیمات گلبرگہ ڈویژن) کو ہدایت دی کہ وہ یادداشت کے تمام مطالبات کو فوری حل کرنے کے اقدام کریں۔ راوحا کرشنا مگر نے اظہار خیال کرتے ہوئے یادداشت میں پیش کیے گئے آٹھ مطالبات کو فوری حل کرنے کا یقین دلایا۔ انھوں نے حیدرآباد کرناٹک کی سطح پر پی یو آفس میں سائنس و آرٹس ہائی اسکول ٹیچرس، اردو میڈیم کے لیے ڈی ڈی پی او عہدوں کو منظوری دینے، اردو اساتذہ کے تبادلوں کے لیے علاحدہ کونسلنگ کی سہولت مہیا کرنے، ہر تعلقہ کی سطح پر اردو بی آر پی عہدہ قائم کرنے اور ہر تعلقہ کی سطح پر اردو کے ہائر پرائمری اسکول کو ماڈل اسکول کی حیثیت سے ترقی دینے کے مطالبات کی یکسوئی کرنے کا اعلان کیا۔ جلسے میں گلبرگہ ضلع کے کل 42 اساتذہ کو قمرالاسلام کے ہاتھوں ان کی بہترین خدمات کے لیے بیسٹ ٹیچر ایوارڈس تفویض کیے گئے۔ قابل ستائش بات یہ رہی کہ آٹھ غیر مسلم اساتذہ کو بھی بیسٹ ٹیچر ایوارڈس پیش کرتے ہوئے بہترین مثال قائم کی گئی۔ بیسٹ ٹیچر ایوارڈس کے لیے محکمہ تعلیمات اور ریاستی حکومت کی جانب سے ہر سال اردو اساتذہ کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے لیکن گورنمنٹ مسلم ایمپلائز ایسوسی ایشن محکمہ تعلیمات نے اپنی جانب سے گلبرگہ ضلع کے ہر تعلقہ سے ایک غیر مسلم ٹیچر کو ایوارڈ دے کر فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ (سالار۔ بنگلور)

کرناٹک اردو اکیڈمی کے بجٹ میں بیس لاکھ کا اضافہ

بنگلور (۲۸ فروری)۔ ریاستی وزیر برائے اقلیتی امور و اوقاف جناب قمر الاسلام نے کرناٹک اردو اکیڈمی کے بجٹ میں اضافے سے متعلق ایک حکم نامہ جاری کر دیا ہے جس کے مطابق کرناٹک اردو اکیڈمی کا بجٹ اب 50 لاکھ روپے سے بڑھا کر 70 لاکھ روپے کر دیا گیا ہے۔ پچھلی حکومت کے بجٹ میں اردو اکیڈمی کے لیے صرف 50 لاکھ روپے مختص کیے گئے تھے جس پر ریاست بھر کے اردو والوں کی جانب سے توجہ دلائی جاتی رہی۔ وزیر موصوف کی اس سلسلے میں کاوشوں کے نتیجے میں محکمۂ اقلیتی بہبود کے فنڈس سے اردو اکیڈمی کے لیے 20 لاکھ روپے فراہم کیے گئے ہیں۔ وزیر موصوف نے اردو داں احباب کو یقین دلایا ہے کہ اگلے بجٹ میں اردو اکیڈمی کے لیے مزید اضافہ کیا جائے گا اور وہ اس بارے میں کافی سنجیدہ ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بہت جلد وہ وزیر اعلا سدارامیا سے اردو اکیڈمی کے بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے جس میں اردو زبان و ادب کے فروغ اور ترویج سے متعلق پروگرام بھی طے کیے جائیں گے۔

(سالار۔ بنگلور)

خصوصی ٹی ای ٹی اردو امتحان نتائج کا اعلان دوبارہ کیا جائے گا

پٹنہ(۱۹فروری)۔ اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے سوالات اور جوابات میں غلطیوں کا خمیازہ بھگتنے والے امیدواروں کی مسلسل جدوجہد کا ثمرہ جلد ہی ملنے والا ہے۔ ریاستی حکومت، محکمہ تعلیم اور بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ نے متفقہ طور پر اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کا رزلٹ دوبارہ شائع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی امیدواروں کو 10 غلط سوالات کے عوض انہیں 10 نمبر کا گریس بھی دیا جائے گا۔ کاروان اردو کے کنوینر پروفیسر غلام غوث نے ایک مکتوب کے حوالے سے بتایا کہ وزیر اعلیٰ سے ملاقات اور وزیر تعلیم پی کے شاہی کی قیادت میں منعقد میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے امتحان کے نتیجے کا اعلان ہوتے ہی چاروں طرف واویلا شروع ہو گیا تھا۔ غلط سوالات اور جواب کے خلاف زبردست ہنگامہ ہوا اور کونسل میں بھی اس معاملے کو پرزور طریقے سے اٹھایا گیا تھا۔ کونسل کے حزب مخالف کے لیڈر غلام غوث نے دعویٰ کیا کہ اس میں تقریباً 15 سوالات اور اس کے جواب میں خامیاں تھیں جس کا خمیازہ اردو امیدواروں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والے امیدواروں کی کل تعداد صرف 15310 تھی جب کہ اس امتحان میں شامل ہونے والوں کی تعداد دو لاکھ سات ہزار تھی۔ جب سامنے پر رزلٹ آنے کے بعد تقریباً 350 امتحان دہندگان نے اعتراضات درج کرائے تھے۔ نتائج کے اعلان کے بعد امیدواروں نے راجدھانی سمیت دیگر اضلاع میں اس کے خلاف احتجاج کیا۔

"کاروان اردو" کے کنوینر اور اردو کے ماہرین کی کاوشوں سے اردو دانش وروں کے ایک وفد نے ۱۴فروری کو وزیر تعلیم پی کے شاہی کی قیادت میں محکمہ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری امرجیت سنہا، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ کے صدر ڈاکٹر راج منی پرساد سنگھ کے ساتھ ایک میٹنگ منعقد کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سوال نمبر ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۳۵، ۱۴۹ اور ۱۳۵ غلط ہیں۔ اس کے عوض ان بھی امیدواروں کو ایک ایک نمبر دیے جائیں گے۔ اس طرح انہیں 10 نمبر کا فائدہ ہوگا اور انہیں 10 نمبر کا گریس دیا جائے گا۔ امرجیت سنہا نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ ان سبھی نکات پر غور و خوض اور جانچ کے بعد جلد ہی از سر نو اس کے نتائج کا اعلان کرے گا۔ امرجیت سنہا نے کہا کہ غلط سوالات کا خمیازہ اردو کے امیدواروں کو نہ بھگتنا پڑے اس کے لیے محکمہ تعلیم شروع سے ہی سنجیدہ ہے۔ غلط سوالات اور جوابات کے انکشاف کے بعد ہی لوگوں کے اعتراضات اور احتجاج کے بعد اس بات کی کوشش کی گئی کہ اس کا تدارک ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ماہرین اردو کے ساتھ کئی بار میٹنگ کی گئی۔ اس کے حل کے لیے محکمہ کافی سنجیدہ ہے۔ بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ جلد ہی دوبارہ نتائج کا اعلان کرے گا۔ اردو اساتذہ کے عہدے پر تقرری نہ ہونے سے اردو کی درس و تدریس متاثر ہو رہی ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی تقرری جلد کی جائے۔

(انقلاب۔ دہلی)

تلنگانہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے پر زور

حیدرآباد(۲۳فروری)۔ محمد عثمان شہید ایڈوکیٹ (صدر آل انڈیا مسلم فرنٹ)، محمد علاء الدین انصاری ایڈوکیٹ (نائب صدر مسلم فرنٹ) نے اپنے مشترکہ بیان میں تلنگانہ بل کو راجیہ سبھا میں منظوری ملنے پر مسٹر کے چندر شیکھر راؤ صدر (ٹی آر ایس) کو مبارک باد پیش کی۔ تلنگانہ ریاست اب ہندوستان کے نقشے پر ایک حقیقت بن چکی ہے۔ انھوں نے تلنگانہ قیادت سے اپیل کی کہ علاحدہ ریاست تلنگانہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہر شعبہ ہائے حیات میں مکمل انصاف کیا جائے بالخصوص اردو کو دوسری سرکاری زبان کا نہ صرف درجہ دیا جائے بلکہ اس پر مکمل عمل بھی کیا جائے۔ سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نوکریاں دی جائیں۔ اسمبلی، پارلیمنٹ کے انتخابات میں بھی ان کے ساتھ بھرپور انصاف کیا جائے۔ آل انڈیا مسلم فرنٹ نے اردو صحافت بالخصوص سیاست، منصف، رہنمائے دکن کے مدیران کے رول کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے عوامی جذبات کی صحیح ترجمانی کی اور تلنگانہ میں مسلمانوں کے مستحکم موقف سے عوام کے ساتھ ساتھ حکومت کو واقف کروایا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

انتظامیہ کو اردو داں افراد کی تقرری کی ہدایت

کولکاتا(۱۸فروری)۔ ہگلی میونسپل انتظامیہ کو کلکتہ ہائی کورٹ نے اردو والوں کو ملازمت دینے کے لیے نئے سرے سے نوٹیفکیشن جاری کرنے کے لیے ہدایت دی ہے۔ جسٹس سومترو پال نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد یہ حکم جاری کیا کہ ملازمت دینے کے لیے اردو داں امیدواروں کے مفاد کا خیال رکھا جائے۔ واضح ہو کہ ۲۰۱۱ء میں ہگلی میونسپلٹی نے ایک نوٹیفکیشن جاری کر کے عہدوں اور اٹنڈنٹ کی اسامیوں کی بھرتی کے لیے اعلان کیا تھا۔ نوٹیفکیشن میں کہا گیا تھا کہ امیدواروں کو آٹھویں پاس ہونا ہوگا نیز بنگلہ یا نیپالی زبان کی جانکاری بھی ضروری ہوگی۔ اس میں اردو کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا گیا تھا، حالاں کہ ہگلی بھی ان علاقوں میں شامل ہے جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ (آبشار۔ کلکتہ)

ایک سال میں دو ڈگریاں حاصل کرنے والے معلم اردو سند یافتگان کی درخواستیں رد

مظفرپور(۲۳فروری)۔ ایک ہی تعلیمی سال میں دو ڈگریاں حاصل کرنے والے 14 معلم اردو سند یافتگان ٹیچر نہیں بن پائیں گے۔ محکمہ تعلیم نے ان امیدواروں کی درخواست کو خارج کر دیا ہے۔ ریاست میں معلم اردو سند یافتگان اور ٹی ای ٹی کی ڈگری رکھنے والے بے روزگاروں کو ریاستی سرکار نے ٹیچر بنانے کا موقع دیا تھا۔ مظفرپور میں معلم اردو سند یافتگان کے انتخاب کے بعد اسناد کی جانچ میں 14 ایسی درخواستیں پائی گئیں جنھوں نے ایک ہی برس میں دو ڈگریاں حاصل کر رکھی ہیں خواہ دو ڈگری جامعہ اردو یا بہار یوپی بورڈ سے لی گئی کیوں نہ ہو انہیں ناقابل قبول تسلیم کرتے ہوئے محکمہ تعلیم لکھنؤ سے کاغذات مانگی گئی تھی، حالاں کہ پڑوسی اضلاع بہار، چھپرہ، سیتامڑھی اور دیگر مقامات پر ان کی تقرریاں ہو چکی ہیں۔ قانونی رائے بھی لی گئی جس میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کی تقرریاں قانونی نہیں ہو سکتیں جس کے بعد گزشتہ روز ڈی ایس اے کے سنگھ نے بتایا کہ زیادہ تر ایسے افراد ہیں جنھوں نے ایک ہی برس میں دو ڈگریاں حاصل کر رکھی ہیں اس بنا پر ان کی درخواستیں رد کر دی گئی ہیں۔ اس فیصلے سے سرکار کو بھی مطلع کر دیا گیا ہے۔ محکمے کے اس فیصلے کے بعد منتخب ہو کر جوائننگ کا انتظار کر رہے معلم اردو سند یافتگان بے روزگاروں کو زبردست جھٹکا لگا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

چکلیہ ہائی اسکول میں اردو اساتذہ کی کمی اور اردو نصابی کتابوں کی عدم دستیابی پر احتجاج

چکلیہ، مغربی بنگال (۱۸فروری)۔ مقامی چکلیہ ہائی اسکول میں اردو اساتذہ کی کمی اور اردو میں نصابی کتابوں کی عدم دستیابی کو لے کر اردو میڈیم بچوں اور ان کے سرپرستوں نے مشترکہ طور پر چکلیہ اردو فورم کی قیادت میں اپنا احتجاج ہیڈ ماسٹر اور اسکول انتظامیہ کے سامنے درج کرایا۔ سرپرستوں اور بچوں کا احتجاجی جلوس جس کی قیادت حنظر کہ فورم کے ذمہ دار کر رہے تھے، یہ جلوس پورے چکلیہ بازار میں گھوم کر چکلیہ ہائی اسکول احاطے میں پہنچا اور اردو میڈیم بچوں اور سرپرستوں کی طرف سے چکلیہ اردو فورم (لوکل یونٹ) نے اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور انتظامیہ کمیٹی کے سکریٹری کو ایک میمورنڈم دیا جس میں کئی مطالبات پیش کیے گئے تھے۔ مطالبات میں کہا گیا کہ اردو میڈیم بچوں کا جو تناسب ہے اس لحاظ سے مذکورہ اسکول میں اردو اساتذہ نہیں ہیں اس سے درس و تدریس متاثر ہو رہی ہے۔ اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے اردو فورم نے ہیڈ ماسٹر اور اسکول انتظامیہ کو مشورہ دیا کہ جب تک ایس ایس سی سے مطلوبہ اساتذہ کی بحالی نہیں ہو جاتی ہے تب تک مقامی طور پر غیر مستقل اساتذہ کی بحالی کی جائے۔ فی الوقت مغربی بنگال کے دوسرے حصوں کی طرح چکلیہ اور اطراف کے اسکولوں میں اردو کتابوں کی عدم دستیابی سے جہاں بچے پریشان ہیں وہیں متعلقہ سہ لسانی فارمولے کے تحت چلنے والے اسکول انتظامیہ کمیٹی اور ہیڈ ماسٹر بھی پریشان ہو رہے ہیں۔ چکلیہ ہائی اسکول بھی ان میں سے ایک ہے جہاں زیر تعلیم اردو بچوں کو اردو میں نصابی کتابیں دستیاب نہیں ہو پائی ہیں۔ قابل غور طلب ہے کہ تعلیمی سال کا دو ماہ گزر چکا ہے اور ایک یونٹ ٹیسٹ بھی ہو چکا ہے اس کے باوجود بچے کتابوں کے لیے ترس رہے ہیں۔ اردو بچوں کے ساتھ فی الوقت جو ناانصافی ہو رہی ہے اس کا ازالہ کس طرح ہو اس پر غور کرنا مغربی بنگال خاص طور سے کلکتہ کے اردو دانشوروں کا کام ہے۔ میمورنڈم میں ایک بہت ہی اہم واقعے پر چکلیہ ہائی اسکول اور انتظامیہ کمیٹی کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسکول حنظر کہ کے ایک بنگلہ میڈیم استاد نے اردو بچوں کو اس وقت کلاس سے باہر جانے کا فرمان صادر کیا جب بارہویں جماعت کے ایک اردو میڈیم طالب علم نے انگریزی میں سوال نامہ مانگا، انگریزی سوال نامہ مانگنے پر بنگلہ میڈیم استاد چراغ پا ہو گئے اور طالب علم سے برجستہ کہا کہ بنگلہ میں سوال نامہ ہے، اسے لو ورنہ اسکول سے باہر ہو جاؤ۔ ہیڈ ماسٹر موصوف کو جب میمورنڈم کے ذریعے بنگلہ میڈیم استاد کے آمرانہ رویے پر توجہ دلائی گئی تو ہیڈ ماسٹر موصوف نے خود بنگلہ میڈیم استاد کی اس حرکت پر اپنی سخت برہمی کا اظہار کیا اور اردو فورم کے قائدین کو یقین دلایا کہ متعلقہ بنگلہ میڈیم استاد کو بہت جلد نوٹس بھیجی جائے گی اور ضابطے کے تحت ان پر کارروائی ہوگی۔ ہیڈ ماسٹر موصوف کے اس اقدام سے میمورنڈم پیش کرنے والوں نے مشترکہ طور پر ہیڈ ماسٹر موصوف پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔

(آبشار۔ کلکتہ)

اک دیا اور بجھا

اردو کے مشہور و ممتاز ادیب، مترجم اور صحافی جناب انور کمال حسینی کا ۱۳جنوری ۲۰۱۳ء کو انتقال ہو گیا۔ ساٹھ سے زیادہ کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مترجم انور کمال حسینی کا تعلق الٰہ آباد کے ایک معزز علمی گھرانے سے تھا۔ ان کی پیدائش ۶نومبر ۱۹۳۷ء کو ہوئی تھی۔ موصوف بڑے خوش فکر شاعر اور ادب نواز تھے۔ ۱۹۵۸ء میں دہلی کالج سے بی اے کیا، پھر دہلی یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۱ء میں "مولوی ذکاء اللہ: حیات اور کارنامے" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد پبلشنگ میں ایڈوانس ڈپلومہ حاصل کیا۔ عملی تربیت کے حصول کے لیے پرائیویٹ اشاعتی اداروں میں کام کیا، جلد ہی حکومت ہند کے اشاعتی ادارے نیشنل بک ٹرسٹ میں تقرر ہو گیا، جہاں انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ انھیں ادارے کی جانب سے یورپ کے کئی ممالک کا سفر کرنے کا بھی موقع ملا۔ وہ نہایت ہی نیک اور منکسر المزاج انسان تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : طوبیٰ (نعتوں کا مجموعہ)
شاعر : تابش مہدی
ضخامت : ۲۰۸ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : ادبیات عالیہ اکادمی
بی ۵/۱ اے، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
تبصرہ نگار : ڈاکٹر رضیہ حامد

تابش مہدی اردو شعر و ادب کی معروف شخصیت ہیں۔ وہ ناقد، محقق، ادیب اور انشا پرداز ہونے کے ساتھ ہی بلند فکر شاعر بھی ہیں۔ اصناف سخن میں غزل کے گیسو سنوارنے کے علاوہ نعت و حمد میں ان کا اسلوب منفرد ہے۔ تابش مہدی کے تین نعتیہ مجموعے 'لمعات حرم'، 'سلسبیل' اور 'صبح صادق' شائع ہو چکے ہیں۔ 'طوبیٰ' ان کا چوتھا مجموعہ ہے۔ عبداللہ عباس ندوی نے ان کے پہلے نعتیہ مجموعۂ کلام کے دیباچے میں تحریر کرتے ہوئے تابش مہدی کو 'زائر حرم حالی' کا لقب دیا ہے۔ یہ لقب تابش مہدی کی پہچان بن گیا ہے۔ تابش مہدی کی دلی خواہش ہے کہ وہ 'مداح رسول' کے طور پر پہچانے جائیں۔ کہتے ہیں:

"اب تو یہی ارمان ہے تابش حب دل میں
پہچان ہو مداح پیمبر کے لقب سے
... میں ان لمحات کو اپنی زندگی کا بیش قیمت سرمایہ سمجھتا ہوں جو پوری کائنات کے ہادی و رہبر اور عالم انسانیت کے محسن و مربی حضرت محمد مصطفیٰ کی نعت لکھنے یا سنانے میں صرف ہوئے"۔ (صبح صادق)

تابش مہدی بالغ نظر ہیں، وہ نعت کہنے کے حدود سے واقف ہیں۔ انھوں نے پوری احتیاط سے اس بات پر نظر رکھتے ہوئے نعت کہی ہیں کہ نظریہ توحید اور عقائد سے ذرا بھی ہٹ نہ پائیں۔ اسلامی عقائد کی پابندی اور پاسداری ان کا شعار ہے۔ مبالغے سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تابش مہدی کی نعتوں کے اشعار ایمان افروز ہیں۔ وہ رسول اللہؐ سے عقیدت اور محبت کا اظہار بڑے حسن و خوبی سے اپنے اشعار میں کرتے ہیں:

ضروری ہے کہ کروں جب ذکر ان کا
میں لفظوں کو عقیدت میں بھگو لوں

اللہ کے رسولؐ کے دامن کو تھام کر
واللہ بچ گئے ہیں بڑی گمرہی سے ہم

تجھ کو فرصت ہے تو لے چل کوچۂ سرکار تک
اے صبا جیسے بہاتوں سے نہ یوں بہلا مجھے

تابش مہدی کو مدینے کے ذرے ذرے سے عشق ہے۔ وہ بہت محبت سے مدینے کا ذکر اپنے اشعار میں کرتے ہیں، کہیں یادیں ہیں اور کہیں دوری کا احساس و کرب ہے۔ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر پر جا چکے ہیں۔ ان کے اشعار سے جابجا واضح ہوتا ہے:

حضوری تھی مری قسمت میں ورنہ
کہاں میں اور کہاں دربار عالی

مدینے کے در و دیوار سے الفت ہے کچھ ایسی
یہیں پوشیدہ میری زندگی معلوم ہوتی ہے

اللہ پھر دکھا دے در اپنے حبیب کا
پھر یاد اس دیار کی آنے لگی مجھے

دیار نو میں جو دن گزارے یاد آتے ہیں
وہ گلیاں یاد آتی ہیں وہ کوچے یاد آتے ہیں

کتاب 'طوبیٰ' کی ابتدا میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی تحریر بہ عنوان تقدیم ہے۔ اس کے بعد تین مضمون تابش مہدی کی نعت گوئی پر مولانا عزیز الحسن صدیقی، حافظ محمد ادریس اور مولانا حسن احمد صدیقی کے شامل ہیں۔ مجموعہ 'طوبیٰ' کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد 65 نعت رسول پاک ہیں اور آخر میں 14 مناقب خلفائے راشدین شامل ہے۔

تابش مہدی کا دعائیہ شعر ہر اس انسان کی دعا ہے جو محمدؐ سے محبت کرتا ہے جس پر زبان سے بے ساختہ آمین کے الفاظ نکلتے ہیں:

الٰہی اسوۂ آقا عطا ہو
ہمارا عہد بحرانی بہت ہے

کتاب 'طوبیٰ' کا ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔ پہلے فلیپ پر مولانا ظفر احمد صدیقی جون پوری کی رائے درج ہے۔ دوسرے فلیپ پر ڈاکٹر محمد حسن الہ آبادی کے دلی تاثرات اور کتاب کی پشت پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی گراں قدر رائے درج ہے۔ کتاب 'طوبیٰ' آفسٹ پر صاف ستھری طبع ہوئی ہے۔

○○○

نام کتاب : علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط
مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
ضخامت : ۲۳۹ صفحات
قیمت : ۲۳۰ روپے
ملنے کا پتہ : ادبی دائرہ، رحمت نگر
عقب آواس وکاس کالونی
اعظم گڑھ-۲۷۶۰۰۱
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
docpak.budki@gmail.com

معروف محقق اور ماہر شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتاب 'علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط' جس میں مکاتیب مہدی حسن بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں، حال ہی میں منظر عام پر آچکی ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ سید سلیمان ندوی کی تصنیف 'حیات شبلی' موصوف کی شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے مگر علامہ شبلی کو نہ صرف اپنی حیات کے دوران میں شدید نظریاتی اختلاف کا سامنا کرنا پڑا بلکہ مذکورہ کتاب بھی متنازع رہی۔ اس لیے الیاس اعظمی کی یہ کوشش رہی ہے کہ شبلی کے نام لکھے گئے یا پھر خود شبلی کے تحریر کیے ہوئے باقی ماندہ خطوط کو اکٹھا کیا جائے تاکہ ان کے توسط سے ایسے پوشیدہ گوشوں پر روشنی پڑ سکے جو تنازع کا سبب بن چکے ہیں۔ لیکن انھیں جلد ہی اس بات کا احساس ہوا کہ ایک صدی گزر جانے کے بعد یہ کام بہت ہی مشکل ہے، پھر بھی ان سے جتنا ہو سکا کر لیا۔ انھوں نے علامہ شبلی کے نام خطوط، جو اب تک شائع نہیں ہوئے تھے، جمع کیے اور ان کو کتابی صورت میں پیش کیا۔ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ اس سے پہلے بھی مکاتیب شبلی، خطوط شبلی اور مکتوبات شبلی کے عنوانات سے ۱۰۹۳ خطوط شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی (اعزازی رفیق، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ) ۱۳ تصانیف، ۱۳ تحقیق و تدوین شدہ کتابوں اور ۳ تراجم کے خالق ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے شبلیات سے متعلق ۶ کتابوں (متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں، آثار شبلی اور علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط) کو قلم بند کیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں شامل کیے گئے خطوط سے شبلی کی شخصیت، مقصد حیات، کارہائے نمایاں، سر سید، حالی، آزاد، اکبر الہ آبادی، اقبال اور دیگر علمائے دین سے تعلقات نیز قریبی رشتے داروں اور طلبہ سے رشتے پر روشنی پڑتی ہے اور کہیں کہیں غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ص ۳۳ پر ذیل کی تحریر درج ہے:

"سر سید کے ساتھ ۱۶ برس رہا لیکن پولیٹکل مسائل میں ہمیشہ ان سے مخالف رہا اور کانگریس کو پسند کرتا رہا اور سر سید سے بارہا بحثیں رہیں۔" (مکتوبات شبلی ص ۱۸۵)

مصنف نے ہر باب کے آخر میں تعلیقات و حواشی کے تحت مکتوب نگار اور خطوط میں دیے گئے دیگر ناموں کی وضاحت کی ہے جس کی بدولت خطوط کا پس منظر اور ان لوگوں کی جانکاری ملتی ہے جن کا حوالہ خط میں دیا جا چکا ہے۔ مثال کے طور پر محمد امین زبیری کی احسان فراموشی، شبلی کے پاؤں کا حادثہ (ص ۱۳۳، ۱۵۳)۔ علاوہ ازیں کچھ اہم مشاہیر جیسے ٹی ڈبلیو آرنلڈ، جرجی زیدان، سید حسین بلگرامی، مہدی حسن افادی، حمید نعیمی، ڈاکٹر تعلیم ناگپور مسٹر جونس کے کوائف: واقعات، تقاریب و اجلاس کی سرگزشت وغیرہ سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ بقول محمد الیاس الاعظمی "ان سے ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگ خط و کتابت کرتے تھے، حتیٰ کہ خواتین بھی بے جھجک خطوط لکھا کرتی تھیں۔" کچھ علما و فضلا جیسے مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، جرجی زیدان اور علامہ حمید الدین فراہی سے انھوں نے عربی میں خط و کتابت کی ہے۔ شبلی نعمانی کا لقب مولانا چریاکوٹی کا عطا کیا ہوا ہے۔ بقول شبلی "میری تمام تر کائنات انھیں کی افادات ہیں۔" (ص ۷۵)

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ شبلی ملت کی ترقی اور بیداری کے خواہاں تھے۔ وہ نسوانی آزادی اور تعلیم کے بھی خواہاں تھے۔ بقول مصنف "علامہ شبلی پہلے شخص تھے جنھوں نے تعصب اور تنگ نظری کے خلاف آواز بلند کی۔ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور کانگریس کی حمایت کی۔" (ص ۱۰۵)۔ البتہ آریہ سماج کی شدھی تحریک کے خلاف انھوں نے بڑی جد و جہد کی۔ (ص ۱۲۲)۔ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے نام اپنے خط میں شبلی اپنی زندگی کے اہم سنگ میلوں کی نشان دہی کرتے ہوئے دارالمصنفین کا مدعا بیان کرتے ہیں (ص ۹۱)۔ کچھ خطوط سے ندوہ کی کارکردگی اور اندرونی کشمکش کی خبر بھی ملتی ہے۔ مولانا ارشاد حسین مہدوی کے، جو شبلی کے استاد فقہ تھے اور جن سے وہ وقتاً فوقتاً مسائل فقہ کے بارے میں رائے طلب کرتے تھے، خطوط سے شبلی کا فقہی مسائل پر دسترس ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

زیر نظر تالیف میں محمد الیاس الاعظمی نے شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ، جنھوں نے اعظم گڑھ میں پہلا عربی مدرسہ قائم کیا تھا اور برادر شیخ مہدی حسن بیرسٹر کی زندگی کے حالات مختصراً بیان کیے ہیں جن سے ان کے خاندان کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں گائے کی قربانی پر رونما ہوئے اعظم گڑھ کے فسادات کو روکنے کی خاطر حبیب اللہ کی کوششوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے سر سید کے دائرۂ اثر میں آکر شبلی کے بعد تینوں بیٹوں، مہدی حسن، محمد اسحاق اور محمد جنید کو جدید تعلیم سے لیس کیا۔ شیخ مہدی حسن بیرسٹر نے اپنے والد شیخ حبیب اللہ، چچا شیخ حبیب اللہ اور بھائی شبلی نعمانی کو جو خط ممبئی اور لندن وغیرہ سے بھیجے تھے ان میں سے کئی اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان کے خطوط کے بارے میں ڈاکٹر ابن فرید فرماتے ہیں کہ "مہدی کے خطوط میں ایک والہانہ پن ہے، شوخی اور بے تکلفی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ ان کے خطوط میں علامہ شبلی کا اسلوب جھلکتا ہے۔" (ص ۳۰۸) ان مکاتیب میں مہدی حسن نے سفر کے حالات، اپنے روزمرہ کی تفصیل، ہندوستان سے باہر انگریزوں کے رویے، ثقافتی لرزے Cultural shock، انگلستان کے تعلیمی نظام، یوروپ کی رنگینیوں، ہندوستان میں ایام طفولیت میں شادی کی غیر منطقی روایت اور اپنی کامرانیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح یہ مکاتیب کسی سفرنامے سے کم نہیں ہیں۔

مجموعی طور پر زیر نظر کتاب شبلیات اور مکتوبیات کے حوالے سے ایک بہت ہی اہم اضافہ ہے اور شبلی نعمانی اور مہدی حسن کی شخصیت اور نظریات کو جاننے کے لیے اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا اردو حلقوں میں خیر مقدم ہوگا۔

○○○

بقیہ: بلونت سنگھ کی... شناخت

صفحہ ۳ سے آگے

علاقے سے اس طرح وابستہ ہوتے ہیں کہ انھیں کسی بھی حال میں الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جگا، بھلیلا سنگھ، کالا سنگھ، ڈاکو یا گز سنگھ، بگا سنگھ، دریا سنگھ، کرنیل سنگھ اور بابا مہنگا سنگھ وغیرہ ان کے ایسے زندہ اور متحرک کردار ہیں جنھیں آسانی سے بھلایا نہیں جاسکتا۔ نسوانی کرداروں کی تخلیق میں وہ جس ادبی، فنی اور اخلاقی احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ ان کی کردار نگاری بھی دیگر افسانہ نگاروں سے مختلف اور ممتاز ہوگئی ہے۔ 'خودداز' بھی بلونت سنگھ کا ایک کرداری افسانہ ہے۔ اس میں رگھوبیر سنگھ کا کردار پورے افسانے پر چھایا رہتا ہے۔ ان کے بعض کرداروں میں جو ذاتی، سماجی اور اخلاقی خامیاں، کمزوریاں اور عیوب پائے جاتے ہیں وہ عام طور سے فطری نہیں ہوتے بلکہ غلط معاشرتی رویوں اور سماجی نظام کی دین ہوتے ہیں۔

ادبی اور فنی نقطۂ نظر سے بلونت سنگھ ایک انتہائی کامیاب اور ممتاز افسانہ نگار ہیں۔ وہ فطرتاً ظلم کے مخالف اور مظلوموں کے ہمدرد ادیب اور فن کار ہیں۔ انھوں نے سزا، جگا، کرتھی، تین باتیں، گمراہ، خوددار، لمحے اور پہلا پتھر جیسے افسانوں میں جس فطری اور نفسیاتی انداز میں مظلوموں اور سماج کے دبے کچلے کمزوروں کے ساتھ اپنی دلی اور جذباتی ہمدردیاں پیش کی ہیں اور اپنی حساسیت کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ اردو میں بلونت سنگھ کے افسانوی کارنامے اردو کے افسانوی سرمایے میں وقیع اور بیش بہا اضافے بھی ہیں اور ان کے منفرد افسانوی طریقہ کار کی نمایاں شناخت بھی ہیں۔

●●●

بقیہ: ذکرِ سردار جعفری...

صفحہ ۸ سے آگے

درخشاں عمر اور عصمت کی قندیلیں
ہلالِ نو کا سینہ، ماہِ کامل کا خزانہ ہے
میری انگلی نے پہلے خاک کے سینے پہ
حرف اولیں لکھا
پھر اس کے بعد تختی پر قلم کا نقش ثانی تھا
عروجِ آدمِ خاکی کا وہ نقش استعارہ تھا

ہم بتا چکے ہیں کہ 'نومبر میرا گہوارہ' علی سردار جعفری صاحب کی نثری سوانحی نظم ہے جسے پیرو قلم کرنے میں انھوں نے اپنے دماغ کا روغن بلادریغ خرچ کیا۔ اس نظم میں اعلا و ارفع شاعری کا ہر وصف موجود ہے۔ اس نظم سے بہت پہلے انھوں نے 'میرا سفر' کے نام سے ایک نظم لکھی تھی جو بہت مشہور و مقبول ہوئی۔ اس ہمہ گیر اور بے پناہ خصوصیت کی حامل تخلیق کا منظرنامہ بھی کسی حد تک سوانحی نوعیت کا تھا۔ ایک طریقے سے یہ کہنا نامناسب نہیں ہوگا کہ 'نومبر میرا گہوارہ' 'میرا سفر' کی تشریح بھی ہے اور اس کی توضیح بھی۔ اس حقیقت کے باوجود یہ کہنا غلط نہیں کہ دونوں نظموں میں افکار و خیالات کی یکسانیت نہیں کے برابر ہے لیکن جہاں تک مجموعی تاثر کی بات ہے تو دونوں نظمیں اپنی اپنی جگہ پر خوب سے خوب تر کی مثال پیش کرتی ہیں۔ میں ضرورت کے پیش نظر اس پوری نظم کو یہاں پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین 'میرا سفر' کا مطالعہ کریں اور اس بات کا فیصلہ کریں کہ کس طرح سردار جعفری نے اتنی مضبوطی اور استحکام سے زبان و بیان پر اپنی اجارہ داری قائم کی ہے تو لیجیے نظم 'میرا سفر' ملاحظہ فرمائیں:

پھر اک دن ایسا آئے گا
آنکھوں کے دیے بجھ جائیں گے
ہاتھوں کے کنول کمھلائیں گے
اور برگِ زبان سے نطق و صدا
کی ہر تتلی اڑ جائے گی
اک کالے سمندر کی تہ میں
کلیوں کی طرح سے کھلتی ہوئی
پھولوں کی طرح سے ہنستی ہوئی
ساری شکلیں کھو جائیں گی
خوں کی گردش، دل کی دھڑکن
سب راگنیاں سو جائیں گی
اور نیلی فضا کی مخمل پر
ہنستی ہوئی ہیرے کی یہ کنی
یہ میری جنت، میری زمیں
اس کی صبحیں، اس کی شامیں
بے جانے ہوئے، بے سمجھے ہوئے
اک مشت غبار انساں پر
شبنم کی طرح رو جائیں گی
ہر چیز بھلا دی جائے گی
یادوں کی حسیں بت خانے سے
ہر چیز اٹھا دی جائے گی
پھر کوئی نہیں یہ پوچھے گا
سردار کہاں ہے محفل میں
لیکن میں یہاں پھر آؤں گا
بچوں کے دہن سے بولوں گا
چڑیوں کی زباں سے گاؤں گا
جب بیج ہنسیں گے دھرتی میں
اور کونپلیں اپنی انگلی سے
مٹی کی تہوں کو چھیڑیں گی
میں پتی پتی، کلی کلی
اپنی آنکھیں پھر کھولوں گا
سرسبز ہتھیلی پر لے کر
شبنم کے قطرے تولوں گا
میں رنگِ حنا، آہنگِ غزل
اندازِ سخن بن جاؤں گا
رخسارِ عروسِ نو کی طرح
ہر آنچل سے چھن جاؤں گا
جاڑوں کی ہوائیں دامن میں
جب فصلِ خزاں کو لائیں گی
رہرو کے جواں قدموں کے تلے
سوکھے ہوئے پتوں سے میرے
ہنسنے کی صدائیں آئیں گی
دھرتی کی سنہری سب ندیاں
آکاش کی نیلی سب جھیلیں
ہستی سے مری بھر جائیں گی
اور سارا زمانہ دیکھے گا
ہر قصہ مرا افسانہ ہے
ہر عاشق ہے سردار یہاں
ہر معشوق سلطانہ ہے
میں ایک گریزاں لمحہ ہوں
ایام کے افسوں خانے میں
میں ایک تڑپتا قطرہ ہوں
مصروفِ سفر جو رہتا ہے
ماضی کی صراحی کے دل سے
مستقبل کے پیمانے میں
میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں
اور جاگ کے پھر سو جاتا ہوں
صدیوں کا پرانا کھیل ہوں میں
میں مر کے امر ہو جاتا ہوں

مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ 'میرا سفر' کی دوسری نظموں کا نہ تو میں ذکر کرسکا اور نہ ہی ان نظموں سے کوئی حوالہ ہی دیا۔ حالاں کہ ان کی دوسری نظمیں جو اس کتاب میں شامل ہیں، بے پناہ خصوصیات کی حامل ہیں۔ لیکن میں نے صرف دو ہی نظموں 'نومبر میرا گہوارہ' اور 'میرا سفر' پر پوری توجہ مبذول کی جس کی بعض وجوہ کی بنا پر ضرورت بھی تھی اور اسی ضرورت کے پیش نظر میں نے ایسا کیا۔ ویسے سردار جعفری کی بیشتر نظمیں آنے والے ہر عہد کے فکری نظام، تاویلات اور تاب و طاقت سے مماثلت رکھنے کی پوری اہلیت رکھتی ہیں۔ اس بنیاد پر اس بات کی پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ آنے والے ہر عہد میں ان کا شمار برصغیر کے نمائندہ شاعروں میں ہوگا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم سردار جعفری صدی کے موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی تقریبات میں مصروف ہوگئے ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی، ممبئی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو اور حیدرآباد کی مولانا آزاد یونیورسٹی نے سردار جعفری صدی تقریبات کے موقعے پر سیمناروں کے انعقاد کی پہل بھی کردی ہے۔ ممبئی میں واقع انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب عبدالستار دلوی نے 'نوائے ادب' کے سردار جعفری خصوصی شمارے کا اعلان کرکے مفید کام کیا ہے، ان کی قیادت میں امید ہے کہ سہ ماہی مجلہ 'نوائے ادب' کا سردار جعفری نمبر اس کے اقبال نمبر کی طرح مثالی ثابت ہوگا۔ میں ہندستان کے دیگر علمی و ادبی اداروں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ بھی ایسی تقریبات کا اہتمام کریں۔

●●●

دوسری اور آخری قسط

ذکرِ سردار جعفری 'میرا سفر' کے حوالے سے

(صدی تقریبات کے موقعے پر لکھا گیا مقالہ)

محمد ایوب واقف (سی کوئین ایونیو، بی ونگ، ساتویں منزل، سیکٹر 14، کوپر کھیرانے، نوی ممبئی-400709)

'نومبر میرا گہوارہ' دراصل سردار جعفری کی ایک ایسی نظم ہے جس میں ان کے منفرد طرز فکر و خیال، شائستگی و برجستگی، ناقابل تردید خرد مندی اور بصیرت و آگہی کا رنگ غالب ہے، ویسے تو سردار جعفری صاحب کی یہ نظم ان کی اپنی ذاتی زندگی کے زیر و بم پر مشتمل ہے لیکن حقیقتاً یہ ایک ایسا صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں ہر انسان اپنے وجود اور اپنے وجود سے متعلق سارے رخوں کا نظارہ پوری شرح و بسط سے کر سکتا ہے، اس میں فکر کی وہ گہرائی ہے جس کی تہ میں اترنے کے لیے ہمیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ انسان اپنی ماں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے پھر آغوشِ مادر کی قلقاریوں سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک کے مدارج ہولے ہولے طے کرتا ہے، اس پورے سفر کی داستان اس وقت حیرت انگیز طور پر پُرکشش اور پُراثر کیفیت کا مرقع بن جاتی ہے جب اس کا احاطہ فکر و نظر کی دولت سے مالا مال فن کار اپنے روشن اور تابناک قلم سے کرتا ہے۔ سردار جعفری کے قلم نے اس اعلا پایے کی نظم کے اندر اپنے خوب صورت اور استعاراتی انداز بیان سے جو رنگ آرائی کی ہے وہ اس امر کی متقاضی ہے کہ اس سے لطف و سرور حاصل کیا جائے، اس پُرشکوہ نظم کی ابتدائی کڑی ملاحظہ فرمائیں:

جب کہیں پھول کھلے
جب کوئی طفل سرِ راہ ملے
رات کی شاخ سیہ رنگ پہ جب چاند کھلے
دل یہ کہتا ہے نئی ہے دنیا
چہچہوں میں ہی کسی دوشیزہ کی ہنسی ہے دنیا
دستِ صیاد بھی ہے بازوئے جلاد بھی ہے
رقصِ تخلیقِ جہانِ گزراں ہے دنیا

سردار جعفری صاحب نے اپنی سوانحی نظم کو کئی ذیلی عنوانات کی مدد سے آگے بڑھایا ہے مثلاً رقص تخلیق، کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ، اقرأ علم بالقلم، فطرت کی فیاضیاں، ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا، ورق ناخواندہ، صحیفۂ کائنات، قاتل کی شکست اور اس کے بعد اپنا جلوۂ صد رنگ دکھا کر نظم اختتام پذیر ہوتی ہے لیکن نظم کے آخر میں بہ شکل زیرِ تخلیق لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظم ابھی اور آگے بڑھے گی زندگی کے شب و روز سے منسلک ہو کر اور معاملات و مسائل اور نئے نئے واقعات فن شاعری کے سانچے میں ڈھل کر سامنے آئیں گے۔ حالاں کہ انسانی زندگی کی طرح یہ نظم بھی نامکمل ہے لیکن میرے خیال سے یہ نامکمل نظم اپنے آپ میں مکمل اور بھرپور ہے اس لیے کہ شاعر کا مدعا اور زندگی سے متعلق شاعر کا نظریہ پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔ ویسے تو اس نظم کا ہر حصہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے لیکن اس نظم کے مطالعے کے دوران دو مقامات ایسے بھی آتے ہیں جہاں حقائق و دقائق، معرفتِ حیات اور قدرت کے اصول اور بیش بہا اکرام و انعام کو انتہائی دل پذیر انداز میں پرو دیا گیا ہے۔ ان دو مقامات میں ایک تو ماں جیسی ہستی کی تقدس ہے جس میں پوشیدہ بے کراں انعامات الٰہی کی تشریحات ہیں، دوسرے قلم کی بے پناہیت کی تحسین و تکریم کی توضیحات۔ ان دونوں مقامات کے تعلق سے اپنے بالیدہ شعور اور عمیق فنکارانہ کاوش کے ذریعے شاعر نے روحانیت کی جو تبلیغ کی ہے وہ اپنے خصائص کے اعتبار سے ایک بالکل منفرد چیز ہے۔ آیئے پہلے ماں کے مختصر لیکن ہمہ گیر و ہمہ صفات لفظ کی دلکش تشریح کو دیکھیں:

وہ چہرہ کیا تھا
سورج تھا، خدا تھا یا پیمبر تھا
وہ چہرہ جس سے بڑھ کر خوب صورت
کوئی چہرہ ہو نہیں سکتا
کہ وہ اک ماں کا چہرہ تھا
جو اپنے دل کے خوابوں، پیاری آرزوؤں
سے روشن تھا
وہ پاکیزہ و مقدس سینۂ زرّیں
وہ اس میں دودھ کی نہریں
وہ موجِ کوثر و تسنیم تھیں
یہ شہد و شبنم تھیں
ابھی کی چند بوندیں آج اعجازِ سخن بن کر
ابھی کی چند بوندیں سحرِ حرفی جادوئے لفظ
و بیاں بن کر
مرے ہونٹوں سے خوشبوئے زباں بن کر
مرے لوح و قلم آتی ہیں تو شمشیر کی صورت
چمکتی ہیں
حسینوں کے لیے وہ غازۂ رخسار و عارض ہیں
کھنکتی چوڑیوں بجتی ہوئی پائل کو اک
آہنگ دیتی ہیں
زمیں کی گردشوں تاریخ کی آوازِ پا میں
ڈھلتی جاتی ہیں
جواب میری زباں ہے
مرے بچپن میں وہ میری ماں کی لوری تھی
وہ لوری اک امانت ہے
ہمارا ہر شعر اب اس کی حفاظت کی ضمانت ہے

انتخاب کی نظم 'نومبر میرا گہوارہ' میں اب ذرا قلم کا روح پرور حسن ملاحظہ فرمائیں لیکن اس سے قبل میں چاہوں گا کہ نظم کے اس حصے میں اجاگر کیے گئے ایک اہم نکتے پر غور کر لیں۔ سردار جعفری نے دراصل ہمارے ذہنوں کو قرآن پاک کے تیسویں پارے کی مشہور و معروف مکی سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کی طرف منعطف کیا ہے جن میں اللہ نے اپنے محبوب نبی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے محمدؐ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے سارے عالم کو پیدا کیا اور جس نے انسانوں کو خون کے لوتھڑے سے وجود بخشا پھر خدا نے فرمایا کہ اے محمدؐ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے اور جس نے قلم کے ذریعے علم کی روشنی سے تم کو مالا مال کیا۔ اور انسان کو ان باتوں کی علم و آگہی عطا کی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔ یہاں میں سردار جعفری کے تعلق سے ایک ضروری بات آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگرچہ وہ کارل مارکس کے فلسفۂ حیات سے جسے عرفِ عام میں مارکسزم (اشتراکیت) کہا جاتا ہے، قائل تھے لیکن ان کا سینہ قرآنی علوم اور فلسفے سے بھی منور تھا۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ سردار جعفری کا سینہ قرآنی علم سے منور تھا تو میں اس کے ثبوت کے طور پر ان کی زندگی کے کچھ واقعات سے آپ کو روشناس کرانا چاہوں گا۔ سردار جعفری ایک آپریشن کے سلسلے میں ممبئی اسپتال جارہے تھے انھوں نے اس موقعے پر مجھے بھی بلا لیا تھا جب میں ان کے گھر پہنچا تو وہ ہاسپٹل جانے کے لیے بالکل تیار تھے۔ انھوں نے اپنی بہن ستارہ جعفری کو حکم دیا کہ قرآن شریف لاؤ، انھوں نے قرآن شریف لاکر جب انھیں دیا تو بسم اللہ پڑھ کر انھوں نے اسے چوما پھر اپنے سینے سے لگایا بعد ازاں اپنے سر پر رکھا اس کے بعد گھر سے نکلے۔ ایک واقعہ سردار جعفری صاحب سے منسوب اور بتاتا چلوں۔ ایک بار میں ان کے ساتھ تھا، ان کا جیب پیسوں سے خالی تھا، وہ پریشانی کے عالم میں تھے اتنے میں ڈاک خانے کا ڈاکیہ ان کے پاس آیا وہ کہیں سے منی آرڈر لے کر ان کے پاس آیا تھا اس نے انھیں پیسے دیے اور چلا گیا اس کے جانے کے بعد جعفری صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "دیکھا ایوب واقف صاحب خدا نے غیب سے کیسے میری مدد فرمادی، اس کو کہتے ہیں خدا کی خدائی۔ اصل رزق رساں تو اللہ ہی ہے۔"

'نومبر میرا گہوارہ' میں قلم کی تحسین سے متعلق جو حصہ ہے اور جسے سردار جعفری نے اپنے قلم کی فطانت اور فضیلت سے اعلا ادب کی ہنرمندی کا خزینہ بنا دیا ہے۔ آیئے اس کا مطالعہ کریں اور لطف و سرور سے اپنا دامن بھرتے چلیں:

میرا پہلا سبق اقرأ
ہے تحسینِ قلم جس میں
ہے تکریمِ قلم جس میں
قلم تحریکِ ربانی
قلم تخلیقِ انسانی
قلم تہذیبِ روحانی
قلم ہی شاخِ طوبیٰ بھی ہے انگشتِ حنائی بھی
میرے ہاتھوں میں آکر رقص کرتی ہے
ہزاروں داستانوں میں چاند و سورج کی شعاعیں

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ـــ (ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: شمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org